# فتاویٰ امن پوری (قسط۱۸۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

(سوال): کیا پاگل کے مال پر زکوۃ واجب ہے؟

(جواب): پاگل کے مال پر بھی زکوۃ واجب ہے، البتہ اس کی ادائیگی وہ شخص کرے گا، جو پاگل کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

(سوال): کیا سونے اور چاندی کی زکوۃ یکجا کر کے نکالی جائے گی یا الگ الگ؟

(جواب): سونا اور چاندی الگ الگ کرنسی ہے، ان کی زکوۃ بھی الگ الگ نکالی جائے گی، مثلاً ایک شخص کے پاس پچاس تولہ چاندی ہے اور چھ تولہ سونا ہے، تو اس پر کوئی زکوۃ واجب نہ ہوگی، تا آنکہ ہر ایک اپنے اپنے نصاب کو پہنچ جائے۔

(سوال): کیا سامان تجارت پر زکوۃ ہے؟

(جواب): مال تجارت نصاب (ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت) کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے، تو زکوۃ فرض ہے، اس پر قرآن مجید، اجماع امت اور صحابہ و تابعین کے آثار دلیل ہیں۔

## قرآنی دلائل:

① اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾

(البقرة: 267)

''اہل ایمان! اپنی حلال کمائی سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔''

۞ امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''اس آیت سے مراد مال تجارت ہے۔''

(تفسير الطّبري: 4/695، وسندهٗ صحيحٌ)

② اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ (التّوبة: 103)

''ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے۔''

③ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ﴾ (المَعارج: 24)

''ان کے اموال میں (غربا و مساکین کا) مقررہ حق ہے۔''

ان آیات میں مال عام ہے، سامان تجارت کو بھی شامل ہے۔

## حدیثی دلائل:

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

قَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتَادَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ .

''خالد نے اپنی زرہیں اور جنگی ساز و سامان کو اللہ کے راستے میں وقف کر دیا ہے۔''

(صحيح البخاري: 1468، صحيح مسلم: 983)

۞ اس حدیث کی شرح میں حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اِسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ هٰذَا وُجُوبَ زَكَاةِ التِّجَارَةِ، وَبِهٖ قَالَ

جُمْهُورُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ .

''بعض اہل علم نے اس حدیث سے مال تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب پر استدلال کیا ہے، سلف اور خلف میں جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے۔''

(شرح النووي : 56/7)

جب عمال نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے آلات حرب کو سامانِ تجارت سمجھتے ہوئے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ یہ سامان راہِ خدا میں وقف ہے، سامانِ تجارت نہیں۔ مطلب یہ کہ وہ سامان مال تجارت ہوتا، تو زکوٰۃ کا مطالبہ درست تھا۔

② سیدنا قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ، إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ، فَشُوبُوهُ بِالصَّدَقَةِ .

''تاجرو! بلاشبہ خرید وفروخت میں لغوبات اور (جھوٹی) قسم داخل ہو جاتی ہے، لہٰذا اسے صدقہ کے ذریعہ پاک کریں۔''

(سنن أبي داود : 3326، سنن النّسائي : 3800، سنن التّرمذي : 1208، سنن ابن ماجه : 2145، وسندهٗ صحيحٌ)

اس کی بے شمار اسانید ہیں۔ ائمہ حدیث نے اس کی تصحیح کی ہے۔

③ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو فرمایا:

أَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ .

''اہل یمن کو خبر دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے امیروں سے لی جائے گی اور فقیروں میں بانٹ دی جائے گی۔''

(صحيح البخاري : 1395، صحيح مسلم : 19)

سامانِ تجارت مال ہے، اس حدیث کے عموم میں داخل ہے۔

## اجماعِ امت:

① امام قاسم بن سلام رحمہ اللہ (۲۲۴ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ أَنَّ الزَّكَاةَ فَرْضٌ وَاجِبٌ فِيهَا وَأَمَّا الْقَوْلُ الْآخَرُ فَلَيْسَ مِنْ مَذَاهِبِ أَهْلِ الْعِلْمِ عِنْدَنَا .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ فرض واجب ہے، اس کے برخلاف ایک قول ہے، جو ہمارے مطابق اہل علم میں سے کسی کا مذہب نہیں۔''

(الأموال : 1202)

② امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ فِي الْعُرُوضِ الَّتِي تُدَارُ لِلتِّجَارَةِ الزَّكَاةَ إِذَا حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ مال تجارت پر سال گزر جائے، تو اس پر زکوٰۃ ہے۔''

(الإجماع : 115، المَجموع شرح المهذّب للنّووي : 47/6)

## آثار صحابہ ومحدثین:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَيْسَ فِي الْعُرُوضِ زَكَاةٌ إِلَّا مَا كَانَ لِلتِّجَارَةِ .

''سامانِ تجارت کے علاوہ سامان پر زکوٰۃ نہیں۔''

(السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 174/4، وسندهٔ صحيحٌ)

حافظ نووی رحمہ اللہ (المجموع:٦/٤٦) نے اس اثر کی سند کو''صحیح''اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (الدرایۃ:١/٢٦١) نے اس اثر کو''صحیح'' کہا ہے۔

❀ یہ قول ذکر کرنے کے بعد حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا قَوْلُ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ .

''اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے۔''

② امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے زریق بن حیان رحمہ اللہ کو خط لکھا:

أَنِ انْظُرْ مَنْ مَرَّ بِكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَخُذْ مِمَّا ظَهَرَ مِنْ أَمْوَالِهِمْ، مِمَّا يُدِيرُونَ مِنَ التِّجَارَاتِ، مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِينَارًا، دِينَارًا .

''مسلمانوں کے تجارتی سامان میں ہر چالیس دینار پر ایک دیناز کوٰۃ وصول کیجئے۔''

(مؤطأ الإمام مالك :255/1، وسندهٔ صحيحٌ)

③ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا صَدَقَةَ فِي اللُّؤْلُؤِ، وَلَا زَبَرْجَدٍ، وَلَا يَاقُوتٍ، وَلَا فُصُوصٍ، وَلَا عَرْضٍ، وَلَا شَيْءٍ لَا يُدَارُ، وَإِنْ كَانَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ يُدَارُ فَفِيهِ الصَّدَقَةُ فِي ثَمَنِهِ حِينَ يُبَاعُ .

''موتی، زبرجد، یاقوت، فصوص، سامان اور جس چیز کی تجارت نہ کی جائے، میں زکوٰۃ نہیں۔ سامانِ تجارت کی قیمت فروخت پر زکوٰۃ ہے۔''

(مصنف ابن إبي شيبة : 144/3، وسندهٗ حسنٌ)

❀ نیز آپ رحمہ اللہ سے سوال ہوا:

تَاجِرٌ لَهٗ مَالٌ كَثِيرٌ فِي أَصْنَافٍ شَتّٰى، حَضَرَ زَكَاتُهٗ، أَعَلَيْهِ أَنْ يُقَوِّمَ مَتَاعَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا يَعْلَمُ أَنَّهٗ ثَمَنَهٗ فَيُخْرِجُ زَكَاتَهٗ؟ قَالَ : لَا، وَلٰكِنْ مَا كَانَ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَخْرَجَ مِنْهُ زَكَاتَهٗ، وَمَا كَانَ مِنْ بَيْعٍ أَخْرَجَ مِنْهُ إِذَا بَاعَهٗ .

''ایک تاجر کے پاس کئی اصناف کا کثیر مال ہے، اس کی زکوٰۃ کا وقت آ گیا ہے، کیا وہ اندازے سے مال کی قیمت طے کر کے زکوٰۃ ادا کر دے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ وہ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ سونے چاندی سے ہی دے اور تجارتی مال کی زکوٰۃ اس وقت دے، جب اسے فروخت کرے۔''

(الأموال لابن زنجويه : 1703، وسندهٗ صحيحٌ)

جس دن زکوٰۃ فرض ہو، اس دن سامان کی محتاط اندازہ سے قیمت لگائے گا، اس کی ادائیگی اسی وقت بھی ہوسکتی ہے اور مال کے فروخت کرنے پر بھی۔

④ امام میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِذَا حَلَّتْ عَلَيْكَ الزَّكَاةُ فَانْظُرْ مَا كَانَ عِنْدَكَ مِنْ نَقْدٍ أَوْ عَرْضٍ لِلْبَيْعِ، فَقَوِّمْهُ قِيمَةَ النَّقْدِ، وَمَا كَانَ مِنْ دَيْنٍ فِي مَلَاءَةٍ فَاحْسِبْهُ، ثُمَّ اطْرَحْ مِنْهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنَ الدَّيْنِ، ثُمَّ زَكِّ مَا بَقِيَ .

''جب سامان پر زکوٰۃ کا وقت آ گیا (یعنی سال پورا ہو گیا)، تو آپ کے پاس جو بھی نقدی یا سامان تجارت موجود ہے، اس کی قیمت کا نقدی کی صورت میں

اندازہ لگائیے، جو قرض ہے، اسے شمار کیجئے، پھر اس سے قرض کو نکال دیجئے اور باقی مال پر زکوٰۃ ادا کر دیں۔''

(الأموال للقاسم بن سلام : 1184، وسندهٔ حسنٌ)

⑤ فقیہ جابر بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَوِّمْهُ بِنَحْوٍ مِّنْ ثَمَنِهٖ يَوْمَ حَلَّتْ فِيهِ الزَّكَاةُ، ثُمَّ أَخْرِجْ زَكَاتَهٗ .

''اپنے سامان کی اس دن کی قیمت کے مطابق تخمینہ لگائیے، جس دن زکوٰۃ فرض ہوئی ہے، پھر اس پر زکوٰۃ ادا کر دیجئے۔''

(الأموال للقاسم بن سلام : 1182، وسندهٔ حسنٌ)

**سوال**: نوے (۹۰) بکریاں ہیں، جن میں دو بندوں کی شراکت ہے۔ ایک کی پچاس بکریاں ہیں اور دوسرے کی چالیس بکریاں ہیں، ساری بکریوں کو ایک ہی شخص چراتا ہے، اب اگر دونوں شخص الگ الگ زکوٰۃ نکالیں، تو دونوں پر ایک ایک بکری واجب ہے اور اگر اکھٹی نکالیں، تو ایک بکری واجب ہوگی، تو کیا حکم ہے؟

**جواب**: جب بکریوں کا ریوڑ ھ ایک ہو، مشرب اور چراگاہ بھی اکھٹی ہو، نیز باڑہ بھی ایک ہی ہو، تو ان سب پر اکھٹی زکوٰۃ واجب ہوگی، الگ الگ واجب نہ ہوگی۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں ساری بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ واجب ہوگی، جس کی ادائیگی دونوں مالکوں پر شراکت کے تناسب سے واجب ہوگی۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بحرین بھیجا، تو یہ خط لکھ کر دیا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ زکوٰۃ کا فریضہ ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مسلمانوں پر فرض کیا ہے، جس مسلمان سے اس میں مذکور نصاب کے

مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے، تو وہ ادا کرے اور جس سے اس نصاب سے زائد مطالبہ کیا جائے، تو وہ صاف انکار کر دے۔''

اس خط میں مزید فرمایا:

لَا يُجْمَعْ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ .

''زکوٰۃ کے ڈر سے الگ الگ چرنے والی بکریوں کو اکٹھا کیا جائے، نہ اکٹھی چرنے والیوں کو الگ الگ کیا جائے اور جو جانور دو آدمیوں کے مشترکہ ہوں، تو وہ مساوی طور پر زکوٰۃ کا حصہ نکالیں گے۔''

(صحيح البخاري : 1448-1450-1455، المنتقى لابن الجارود : 342)

**سوال**: فقیر و مسکین کسے کہتے ہیں؟

**جواب**: فقیر اور مسکین اس شخص کو کہتے ہیں، جس کے پاس اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کی مالی استعداد موجود نہ ہو، بلکہ وہ دوسروں کا محتاج ہو۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ﴾

(الكهف : 79)

''کشتی مسکینوں کی ملکیت ہے، جو سمندر میں کام کرتے ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکین کی ملکیت میں مال ہوتا ہے، مگر اتنا نہیں کہ وہ اس سے اپنی بنیادی ضروریات پوری کر سکے۔

**سوال**: کسی کو صدقہ دینے کے بعد اس پر احسان جتلانے کا کیا حکم ہے؟

(جواب): کسی سے نیکی کرنے کے بعد اس کو جتلانا نہیں چاہیے، اس سے عمل ضائع ہو جاتا ہے، نیز سخت وعید کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾

(البقرة : 264)

''مومنو! اپنے صدقات احسان جتلا کر اور اذیت دے کر برباد مت کرو۔''

مفسرین کی رائے یہ ہے کہ خیرات ضائع کرنے اور مٹانے سے مراد ثواب کو ضائع کرنا ہے۔

❁ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''روز قیامت اللہ تین لوگوں سے کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ اُن کا تزکیہ فرمائے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ تو ناکام ونامراد ہو گئے، اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: ازار (ٹخنے سے نیچے) لٹکانے والا، احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم سے سودا بیچنے والا۔''

(صحیح مسلم : 106)

(سوال): حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری اور علی کی مثال ایسے ہے، جیسے سیدنا ہارون اور سیدنا موسیٰ علیہما السلام کی مثال ہے۔'' اس حدیث کا کیا مفہوم ہے؟

(جواب): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اپنی مثال سیدنا ہارون اور سیدنا موسی علیہما السلام سے بیان کی ہے۔

❁ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

خَلَّفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ تُخَلِّفُنِي فِي النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ؟ فَقَالَ: أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُّوسٰى؟ غَيْرَ أَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِي.

''غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو (مدینہ میں) اپنا جانشین مقرر کیا، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ فرمایا کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ میرے ساتھ آپ کی وہی نسبت ہو، جو ہارون علیہ السلام کی موسیٰ علیہ السلام سے تھی، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

(صحيح البخاري: 3706، صحيح مسلم: 2404، واللّفظ لهٗ)

❁ صحیح مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں:

إِنَّهٗ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي.

''میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔''

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (544ھ) اس کا معنی بیان کرتے ہیں:

قَوْلُهٗ: أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُّوسٰى، يُرِيدُ فِي تَقْدِيمِهٖ عَلٰى مَنْ يُّخَلِّفُهٗ، اسْتَثْنٰى مِنْ حَالِ هَارُونَ بَعْضَ صِفَاتِهٖ، وَهِيَ النُّبُوَّةُ، لِأَنَّ هَارُونَ كَانَ نَبِيًّا، وَقَدْ أَعْلَمَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

وَالسَّلَامُ أَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ، وَمَعْنَاهُ مُنْذُ بُعِثَ، أَيْ بَعْدَ مَبْعَثِهٖ انْقَطَعَتِ النُّبُوَّةُ، فَلَا نَبِيَّ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ.

''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''آپ کی اور میری مثال وہی ہے، جو ہارون اور موسی علیہما السلام کی ہے۔'' اس حدیث سے مقصود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑے گئے لوگوں پر فضیلت دینا تھا، پھر آپ ﷺ نے اس تشبیہ سے ہارون علیہ السلام کی صفت نبوت کو مستثنیٰ کر دیا، کیوں کہ ہارون علیہ السلام تو نبی تھے اور رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' کا معنی یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' (إکمال المُعلِم: 413/7)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (597ھ) لکھتے ہیں:

لَمَّا شَبَّهَهٗ فِي تَخْلِيفِهٖ إِيَّاهُ بِهَارُونَ حِينَ خَلَّفَهٗ مُوسٰى، خَافَ أَنْ يَّتَأَوَّلَ مُتَأَوِّلٌ فَيَدَّعِيَ النُّبُوَّةَ لِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَ: غَيْرَ أَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِي، وَإِنَّمَا كَانَتْ خِلَافَةُ هَارُونَ فِي وَقْتٍ خَاصٍّ فِي حَيَاةِ مُوسٰى.

''رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنانے کی تشبیہ سیدنا موسی علیہ السلام کے سیدنا ہارون علیہ السلام کو قائم مقام بنانے سے دی، تو یہ شبہ پیدا ہوا کہ کوئی اس فرمان سے دلیل لے کر نبوت کا دعوی ہی نہ کر دے، تو فرمایا کہ ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ہارون علیہ السلام کی خلافت موسی علیہ السلام کی زندگی کے

ایک خاص حصے میں تھی۔'' (کشف المُشکِل :236/1)

## ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اس حدیث کے معنی میں ایک شبہ وارد کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو!

❀ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا عَلِيُّ أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي كَهَارُونَ مِنْ مُّوسٰى غَيْرَ أَنَّكَ لَسْتَ بِنَبِيٍّ؟ قَالَ : بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ : فَإِنَّهٗ كَذٰلِكَ .

''علی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ میری اور آپ کی مثال موسیٰ وہارون علیہما السلام والی ہو؟ البتہ آپ نبی نہیں ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہا: اللہ کے رسول! آپ نے سچ فرمایا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بات ہی یہی ہے۔''

(طَبَقات ابن سعد : 25/3)

یہاں شبہ اٹھایا جاتا ہے کہ اس روایت نے حدیث: لَا نَبِيَّ بَعْدِي کا مطلب واضح کر دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کی نفی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے، آپ ﷺ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی نہیں بن سکتے، یہ مراد نہیں کہ کوئی اور بھی نہیں بن سکتا۔

یہ استدلال وشبہ منطقی، عقلی اور اصولی دلائل کے اعتبار سے بالکل بے جان ہے، اس سے کسی بھی طور ثابت نہیں ہوتا کہ یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ یہ عمومی قاعدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اور اس عموم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں، مثلا: میں کسی سے کہتا ہوں کہ آپ اللہ کے شریک نہیں ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ دوسرے لوگ اللہ کے شریک ہیں، بلکہ عمومی قاعدہ ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اب جس سے بھی کہا جائے گا کہ آپ اللہ کے شریک

نہیں ہیں، تو عموم کا فرد ہونے کے ناطے کہا جائے گا، اس حدیث سے بھی یہی مراد ہے، دوسرے یہ کہ یہ روایت ہی ضعیف ہے، اس میں میمون ابوعبداللہ کندی ''ضعیف'' ہے۔

(تقريب التّهذيب لابن حجر :7051)

**سوال**: کیا راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ایمان ہے؟

**جواب**: ایمان کے مختلف درجات ہیں، ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دیا جائے۔

❁ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایمان کے ستر یا ساٹھ سے کچھ اوپر شعبے ہیں، سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے آخری شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، نیز حیاء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''

(صحيح البخاري : 9، صحيح مسلم : 35، واللفظ لهٗ)

❁ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ، فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ .

''ایک شخص راستے پر چل رہا تھا، اس نے ایک کانٹے دار ٹہنی دیکھی، اس نے اسے ہٹا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر دانی کی اور اسے معاف فرما دیا۔''

(صحيح مسلم : 1914)

**سوال**: کیا اذان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انگوٹھے چومنا ثابت ہے؟

جواب: مسند فردوس از دیلمی میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے:

إِنَّهٗ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰه قَالَ هٰذَا، وَقَبَّلَ بَاطِنَ الْأُنْمُلَتَيْنِ السَّبَّابَتَيْنِ وَمَسَحَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي، فَقَدْ حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي .

''جب آپ رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہتے سنا، تو یہی الفاظ کہے اور دونوں انگشتِ شہادت کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایسا کیا، جیسا میرے پیارے نے کیا ہے، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔''

(المَقاصد الحَسنة للسّخاوي، ص 384)

جھوٹ ہے۔

① اس کی سند نہیں ملی۔

② حافظ سخاوی رحمہ اللہ (902ھ) نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے:

لَا يَصِحُّ . ''یہ روایت ثابت نہیں ہے۔''

بعض احباب کہتے ہیں کہ لَا يَصِحُّ ''یہ روایت صحیح نہیں ہے۔'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ''حسن'' بھی نہیں ہے، یہ ان کی بات خطائے محض کی قبیل سے ہے اور اس روایت پر توفٹ بھی نہیں آتی، کیوں کہ اس روایت کی تو سند ہی موجود نہیں۔

سوال: کبار تابعین کی مرسل روایت کا کیا حکم ہے؟

جواب: تابعین کی مرسل روایات نا قابل حجت ہیں، خواہ تابعی کبیر ہو یا صغیر، کیونکہ

اگر تابعی کبیر کی اکثر وبیشتر روایات صحابہ سے ہوتی ہیں، مگر بعض روایات تابعین سے بھی ہوتی ہیں، تو معلوم نہیں کہ وہ روایت بھی تابعی سے ہو، لہٰذا اس جہالت کی بنا پر تابعی کبیر کی روایت کو ناقابل احتجاج سمجھا جائے گا۔

❀ امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ (۲۶۱ھ) ''مرسل'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرْسَلُ فِي أَصْلِ قَوْلِنَا وَقَوْلِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْأَخْبَارِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ .

''ہمارے اور محدثین کے ہاں مرسل حجت نہیں ہے۔''

(مقدمة صحيح مسلم، ص 20)

(سوال): کیا استحاضہ والی عورت سے شوہر ازدواجی تعلقات قائم کرسکتا ہے؟

(جواب): استحاضہ ایک بیماری ہے، جو ایک رگ کے کٹنے کی وجہ سے ہوتی ہے، استحاضہ والی عورت پاک ہوتی ہے۔ اس میں بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾(البقرة : : 223)

''بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اپنی کھیتی کو جیسے چاہو، آؤ۔''

آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ استحاضہ میں مجامعت جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے ممانعت ثابت نہیں۔

❀ علامہ مرغینانی حنفی رحمہ اللہ (593ھ) لکھتے ہیں:

دَمُ الْاِسْتِحَاضَةِ كَالرُّعَافِ الدَّائِمِ، لَا يَمْنَعُ الصَّوْمَ وَلَا الصَّلَاةَ وَلَا الْوَطْئَ .

''استحاضہ کا خون، دائمی نکسیر کی طرح ہے۔ روزے، نماز اور جماع سے رکاوٹ

نہیں۔‘‘(الهداية : ص،64، فتاویٰ عالمگیری:39/1)

**سوال**: کیا قبلہ کی طرف رخ کرنا ’’بت پرستی‘‘ ہے؟

**جواب**: بعض ہندو اور بت پرست لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان بھی ہماری طرح کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور کعبہ پتھر کا ہے، لہٰذا مسلمان بھی (نعوذ باللہ) ’’بت پرست‘‘ ہیں۔

جبکہ یہ غلط فہمی ہے۔ کوئی مسلمان کعبہ کو اپنا خدا یا معبود نہیں سمجھتا، بلکہ یہ صرف ایک جہت ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، پھر مسلمانوں کے نزدیک کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے، بھلا کوئی شخص اپنے معبود کے اوپر چڑھ سکتا ہے؟؟؟ لہٰذا کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ مسلمانوں میں اتحاد قائم رہے، ورنہ ایک ہی مسلمان میں کچھ لوگ مشرق کی طرف، کچھ مغرب کی طرف، کچھ شمال اور کچھ جنوب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے ہوں گے، تو بدنظمی پیدا ہو جائے گی۔

کعبۃ اللہ نماز پڑھنے کے لیے جہت اور سمت ہے، مسلمان اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے، جیسا کہ پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

**سوال**: کیا حجر اسود کو بوسہ دینا ’’سنگ پرستی‘‘ ہے؟

**جواب**: بت پرستوں کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مسلمان بھی ان کی طرح ’’بت پرست‘‘ ہیں، اس لیے کہ وہ بھی سیاہ پتھر کو چومتے ہیں اور ہم بھی

جبکہ یہ اعتراض محض جہالت ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے، مگر یہ کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں، اس کو چومنے کی وجہ انبیائے کرام علیہم السلام کا اتباع ہے، خود

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کہ جنہوں نے بیت اللہ کو بتوں سے پاک کیا، نے حجر اسود کا بوسہ لیا ہے۔اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلمان حجر اسود کا استلام کرتے ہیں۔

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس آئے، اسے بوسہ دیا اور فرمایا:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ .

’’بے شک میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے، اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔‘‘

(صحيح البخاري : 1597، صحيح مسلم : 1270)

**سوال**: گھر میں شیر پالنا کیسا ہے؟

**جواب**: شیر درندہ ہے، درندوں کو پالنا جائز نہیں۔یہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔

**سوال**: کسی کو برے القابات سے پکارنا کیسا ہے؟

**جواب**: کسی کے نام کو بگاڑ کر بولنا یا اسے برے لقب سے پکارنا جائز نہیں، یہ گناہ کبیرہ ہے، اس سے منع کیا گیا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿...... وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾(الحُجُرات : ١١)

’’......ایک دوسرے کو (برے) القابات سے مت چڑاؤ۔ ایمان کے بعد برے نام سے پکارنا گناہ ہے، جنہوں نے توبہ نہ کی، وہ ظالم ہیں۔‘‘

**سوال**: محراب میں کھڑے ہوکر امامت کرانا کیسا ہے؟

**جواب**: محراب میں کھڑے ہوکر امامت کرانا جائز اور درست ہے، خواہ کوئی دشواری نہ بھی ہو۔ محراب مسجد کا حصہ ہے، جو شرعی ضرورت کے پیش نظر بنایا گیا ہے۔ محراب کا وہی حکم ہے، جو مسجد کا ہے، اس کی ممانعت نہیں۔

❀ کہا گیا ہے:

يُكْرَهُ قِيَامُ الْإِمَامِ وَحْدَهٗ فِي الطَّاقِ وَهُوَ الْمِحْرَابُ وَلَا يُكْرَهُ سُجُودُهٗ فِيهِ إِذَا كَانَ قَائِمًا خَارِجَ الْمِحْرَابِ هٰكَذَا فِي التَّبْيِينِ وَإِذَا ضَاقَ الْمَسْجِدُ بِمَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَقُومَ فِي الطَّاقِ .

''محراب میں اکیلا کھڑا ہونا امام کے لئے مکروہ ہے۔ البتہ محراب میں سجدہ کرنا جائز ہے، جب نماز محراب سے باہر کھڑے ہوکر ادا کر رہا ہو۔ تبیین میں ایسا ہی لکھا ہے۔ مسجد تنگ پڑ جائے، تو امام محراب میں کھڑا ہوسکتا ہے، یہ جائز ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری: 108/1)

❀ مفتی محمود صاحب لکھتے ہیں:

''امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، یعنی کراہت تنزیہی ہے۔ جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔''

(فتاویٰ محمودیہ: 6/504، 506)

کراہت پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔

❀ علامہ ابن امیر الحاج حنفی رحمہ اللہ (۸۷۹ھ) اپنی کتاب حِلْيَةُ الْمُجَلِّي

شَرْحُ مُنْيَةِ الْمُصَلِّي میں لکھتے ہیں:

أَمَّا الْمَسَاجِدُ الَّتِي بُنِيَتْ، وَفِيهَا الطَّاقُ ابْتِدَاءً، فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمَسْجِدِ، فَلَا يُكْرَهُ لِلْإِمَامِ الْوُقُوفُ فِيهِ، وَالطَّاقُ هُوَ الْمِحْرَابُ.

''جن مساجد میں ابتدا سے ہی محراب بنے ہوں، وہ مسجد کے حکم میں ہوں گے، لہٰذا اس میں امام بلا کراہت کھڑا ہو سکتا ہے۔''

(الفوائد البهيّة لعبد الحي اللكهنوي، ص 17)

❀ علامہ زرکشی رحمہ اللہ (۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمَشْهُورُ الْجَوَازُ بِلَا كَرَاهَةٍ، وَلَمْ يَزَلْ عَمِلَ النَّاسُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ.

''مشہور یہی ہے کہ محراب بنانا بلا کراہت جائز ہے، لوگوں کا اس پر ہمیشہ سے عمل رہا، کسی نے انکار نہیں کیا۔''

(إعلام السّاجد بأحكام المَساجد، 364)

دلائل ملاحظہ ہوں:

① رفاعہ بن مسلم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ يُصَلِّي فِي الطَّاقِ.

''میں نے سوید بن غفلہ رحمہ اللہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 59/2، وسندهٗ حسنٌ)

② موسیٰ بن نافع ابوشہاب حناط رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ يُصَلِّي فِي الطَّاقِ.

''میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 59/2، سندهٗ حسنٌ)

③ فطر بن خلیفہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ أَبَا رَجَاءٍ يُّصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ .

''میں نے ابو رجاء عطاردی رحمہ اللہ کو محراب میں نماز پڑھتے دیکھا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 59/2، سندهٗ حسنٌ)

❁ اسحاق بن منصور کوسج رحمہ اللہ کہتے ہیں:

قُلْتُ : تَكْرَهُ الْمِحْرَابَ فِي الْمَسْجِدِ؟ قَالَ : مَا أَعْلَمُ فِيهِ حَدِيثًا يَثْبُتُ، وَرُبَّ مَسْجِدٍ يَّحْتَاجُ إِلَيْهِ يُرْتَفَقُ بِهٖ، قَالَ إِسْحَاقُ : كَمَا قَالَ .

''میں نے پوچھا : کیا آپ مسجد میں محراب مکروہ سمجھتے ہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرمانے لگے: اس سلسلے میں کوئی صحیح حدیث میرے علم میں نہیں، کتنی مساجد ہیں کہ جن میں سمتِ قبلہ معلوم کرنے کے لیے محراب کی ضرورت ہوتی ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا۔''

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه : 151/1)

## تنبیہ ①:

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتَّقُوا هٰذِهِ الْمَذَابِحَ، يَعْنِي الْمَحارِيبَ .

''محراب بنانے سے بچیں۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 540/13، ح : 14433، السّنن الكبرٰی للبیهقي : 616/2، وسندهٗ صحیحٌ)

محراب کے کئی معانی ہیں؛ ان میں ایک معنی ''صدر مجلس'' ہے، یعنی مجلس میں ایک اونچا مقام بنانا۔ تو نبی کریم ﷺ نے جن محرابوں سے منع کیا ہے، ان سے مراد خاص بلند جگہیں ہیں، جو تکبر و بڑائی کا باعث بنتی ہیں، لہٰذا اس سے منع کر دیا گیا۔ ''صدور مجالس'' بنانا اور ان پر بیٹھنا جائز نہیں، خواہ مسجد کے اندر بنائے جائیں، یا مسجد سے باہر۔

اس حدیث کا تعلق مسجد کے محراب سے نہیں، مسجد میں محراب بنانا بلا کراہت جائز ہے۔

② علقمہ رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ كَرِهَ الصَّلَاةَ فِي الْمِحْرَابِ وَقَالَ : إِنَّمَا كَانَتِ الْكَنَائِسُ فَلَا تَشَبَّهُوا بِأَهْلِ الْكِتَابِ، يَعْنِي : أَنَّهٗ كَرِهَ الصَّلَاةَ فِي الطَّاقِ .

''آپ رضی اللہ عنہ محراب میں نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ گرجوں کی طرح ہیں، اہل کتاب سے مشابہت اختیار مت کریں۔''

(مسند البزّار : 1577)

## تبصرہ:

سند ضعیف ہے۔ میمون ابو حمزہ اعور ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی کا عنعنہ ہے۔

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اتَّقُوا هٰذِهِ الْمَحَارِيبَ .

''محراب بنانے سے بچیں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 58/2)

## تبصرہ:

**سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔**

④ **سالم بن ابی جعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:**

كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ يَقُولُونَ : إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ تُتَّخَذُ الْمَدَائِحُ فِي الْمَسَاجِدِ يَعْنِي الطَّاقَاتِ .

**''صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے: قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ مساجد میں محراب بنائے جائیں گے۔''**

(مصنّف ابن أبي شيبة : 58/2)

## تبصرہ:

**سند ضعیف ہے۔ عبیدہ بن معتب ضبی ''ضعیف اور مختلط'' ہے۔**

(تقريب التّهذيب لابن حجر : 4416)

⑤ **سالم بن ابی جعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:**

لَا تَتَّخِذُوا الْمَذَابِحَ فِي الْمَسَاجِدِ .

**''مساجد میں محراب مت بنائیں۔''**

(مصنّف ابن أبي شيبة : 58/2، وسندهٗ حسنٌ)

**یہاں بھی محراب سے مراد وہ بلند و بالا جگہ ہے، جو کسی کے بیٹھنے کے لیے خاص کی جاتی ہے، کہ ایسی جگہیں مساجد میں مت بنائی جائیں۔**